جموں وکشمیر میں محرم کی عزاداری کی روایت

پروفیسر جگر محمد☆

عام طور پر مانا جاتا ہے کہ چودھویں صدی کے آخری حصے میں تیمور لنگ نے عزادری کی روایت کی ابتدا کی۔ مگر امام حسینؑ کی شہادت کی یاد ہندوستان میں تیرھویں صدی سے ہی منائی جاتی رہی ہے۔ منہاج سراج اور امیر خسرو دونو ں نے محرم کے پہلے دس دنوں میں رنج وغم منانے کا ذکر کیا ہے۔ خلیق احمد نظامی کے الفاظ میں ''المیۂ کربلا کو ہندوستان میں ماہِ محرم کے پہلے دس دنوں میں وعظ کے جلسے منعقد کر کے منایا جاتا تھا''۔ ایک کتاب 'مقتلِ حسینؑ' جس میں اس المیہ کے واقعات کو بیان کیا گیا ہے اس کی بہت مانگ تھی۔[1] ابنِ بطوطہ نے ذکر کیا ہے کہ وہ محرم کی دسویں تاریخ کو غریبوں میں بہت خیرات بانٹتا تھا۔ تعزیے (شہیدانِ کربلا کے مزاروں کی چھوٹی شبیہیں) ان شہیدوں کی یاد کی علامت کے طور پر بنانے شروع کیے گئے۔ تعزیوں کی روایت امام حسینؑ کی اس قربانی کی یاد کو برقرار رکھنے میں بہت مؤثر ثابت ہوئی، جو انھوں نے اسلامی دنیا میں بادشاہت کے قیام کے خلاف اور اسلامی روایت کو ازسرِ نو مستحکم کرنے کی جدوجہد میں پیش کی تھی۔ تعزیئے ماہ محرم میں شہیدانِ کربلا کی یاد کو تازہ کرنے کے ساتھ ساتھ ایک سماجی اجتماع اور ملنے ملانے کا بھی ایک اہم ذریعہ بن گئے اور رفتہ رفتہ یہ ایک تیوہار اور تقریب کی سی حیثیت اختیار کر گئے۔ مغل دور کے مآخذ میں محرم کی رسموں کا تذکرہ ملتا ہے۔ مونسٹراٹ نے سولھویں صدی میں محرم منائے جانے کو دیکھا تھا اور بیان کیا تھا'' محرم کے مہینے میں لوگ خاصے جذباتی نظر آتے تھے۔ یہ بھی دیکھا گیا کہ اگر دو گروہ اپنے تابوت (تعزیے) لے جارہے ہوں، اور ان میں سے ایک دوسرے کو جگہ نہ دے تو ایسا لگتا تھا جیسے وہ جنگ میں ایک دوسرے کے دشمن ہیں''۔[2]

جہاں تک موجودہ ریاست جموں وکشمیر کا سوال ہے تو یہاں عام مذہب اسلام ہے اور مسلمان

☆ شعبۂ تاریخ، جموں یونیورسٹی، جموں

۱۔ خلیق احمد نظامی: سم آسپیکٹس آف ریلیجن اینڈ پالیٹکس ان انڈیا ڈیورنگ دی تھرٹینتھ سنچری، دہلی ۱۹۷۴، ص ۲۹۸ 'مقاتل حسینؑ' کا پی امیر خسرو کے پاس موجود تھی: ایضاً ص ۲۹۸ ۲۔ محمد یاسین، اے سوشل ہسٹری آف اسلامیک انڈیا، دہلی ۱۹۸۸، ص ۶۰۔ محمد یاسین کی رائے ہے کہ محرم کے کچھ رسوم، جیسے تعزیہ دفنانا اور مصنوعی جانوروں پر حملہ ہندوؤں کی رام لیلا سے متاثر ہیں، ص ۶۱

بحیثیت آبادی اکثریت میں ہیں۔ موجودہ ریاست جموں وکشمیر تین کلچرل حصوں پر مشتمل ہے۔ جموں، کشمیر اور لداخ۔ انیسویں صدی کے پہلے نصف تک یہ الگ الگ خودمختار اکائیاں تھیں۔ مگر تینوں علاقے جو چھوٹے چھوٹے متعدد رجواڑوں میں بٹے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے تیرھویں صدی یہاں سے قیام کرنا شروع کیا۔ کشمیر اور لداخ کے علاقوں میں مسلمان اپنی تعداد کے اعتبار سے ایک با اثر حیثیت کے حامل ہیں۔ حالانکہ کشمیر میں مسلمانوں کی آمد تیرھویں صدی سے شروع ہوئی مگر یہاں عزاداری اور تعزیہ داری کی ابتداء پندرھویں صدی کے اواخر یا سولھویں صدی کے ابتدائی حصے میں شروع ہونے کا امکان ہے۔ عام طور پر مانا جاتا ہے کہ نوربخشی سلسلے کے ایک صوفی شمس الدین عراقی عراق سے تشریف لائے اور انھوں نے شیعہ فرقے کو کشمیر میں متعارف کیا، حالانکہ مرزا حیدر دغلات نے نوربخشی سلسلے کی وہ روایات و رسوم اور عقاید قائم کیے جو شیعہ یا سنی کسی بھی فرقے کے عقائد اور رسوم سے مختلف تھے۔[۱] ویسے نوربخشی سلسلے کے لوگ شیعہ عقائد کے ماننے والے تھے اور اب بھی ہیں۔ یہ حقیقت عام طور پر مانی جاتی ہے کہ نوربخشی محرم کا سوگ مناتے تھے اور کچھ لوگ امام حسینؑ کی شہادت کے غم کی علامت کے طور پر کالا لباس بھی پہنتے تھے۔[۲] یہ بھی عام طور پر مانا جاتا ہے کہ شمس الدین عراقی کے اثر سے کئی ہزار غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ نتیجتاً ان کا نام بارہ اماموں میں شامل کیا جانے لگا۔[۳] شمس الدین عراقی مشہد میں مدفون امام رضا کے بہت معتقد تھے۔ جب شمس الدین عراقی نے ۱۵۰۱ میں کشمیر کے لیے اپنا دوسرا سفر شروع کیا تو یہ پہلے امام رضا کے روضے کی زیارت کو گئے۔[۴] ان کا انتقال سری نگر میں ۱۵۲۶ء میں ہوا اور انھیں ''زادی بل'' میں دفن کیا گیا۔ کشمیر کے شیعہ مسلمان ان کے مزار کا بہت احترام کرتے ہیں۔[۵] اس کے علاوہ ان کے زیرِ اثر چاک قبیلے کے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور خود کو شیعہ ہی کہا۔[۶] پھر جب ۱۵۶۱ میں غازی چاک نے کشمیر میں اپنے خاندان کی حکومت قایم کی تو نوربخشیوں اور شیعوں کی حیثیت میں کافی عروج دیکھنے میں آیا۔ ابوالفضل نے بھی 'امامیوں' اور نوربخشیوں کے ایک اہم سماجی طبقہ ہونے اور ان کے کشمیر میں

۱- مرزا حیدر دغلات۔ تاریخ رشیدی، انگریزی ترجمہ از: ای۔ ڈینیس روس، کمنٹری کے ساتھ، ایڈٹ شدہ نوٹس اور نقشے از این ایلیاس دہلی، ص ۴۳۴ ۲- محب الحسن، کاشمیر انڈر دی سلطانس ۱۹۷۴، ص ۲۸۴، نوربخشی سلسلہ کربلا سے تعلق رکھنے والے سید محمد بن محمد بن عبداللہ نے قایم کیا۔: ایضاً، ص ۲۸۳ ۳- جی ایم ڈی صوفی: اسلامک کلچران کاشمیر، جموں ۱۹۹۹، ص ۴۶ ۴- محب الحسن: کاشمیر انڈر دی سلطانس، ص ۲۸۵ ۵- جی۔ ایم۔ ڈی۔ صوفی، اسلامک کلچر، ص ۴۷ ۶- ایضاً، ص ۴۷

ایران اور ترکستان سے آنے کا ذکر کیا ہے۔[1] زبانی روایات کے مطابق شمس الدین عراقی کے مزار کے علاقے میں پہلا امام باڑہ سترھویں صدی میں بنا تھا۔ ان تمام شہادتوں سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ عزاداری کی روایت یہاں شمس الدین عراقی کی تعلیمات کے اثر سے شروع ہوئی۔

بہرحال کشمیر میں محرم کی عزاداری کی روایت سولھویں صدی سے وہاں کے مذہبی رجحانات میں ایک اہم رجحان رہا ہے۔ کشمیر میں کاغذ اور لکڑی کے بڑے بڑے تعزیے بنتے ہیں۔ محرم کی اہم ترین روایات میں ایک اہم روایت تعزیوں کا جلوس ہے۔ حالانکہ یہ امام حسینؑ کی شہادت کے غم کی علامت کے طور پر نکالا جاتا ہے۔ لیکن عام لوگ اس موقعے کو ایک تہوار کے طور پر مناتے ہیں۔[2] تعزیے کے جلوس کو ذوالجناح بھی کہا جاتا ہے کیونکہ امام حسینؑ کے گھوڑے کا بھی تعزیے سے ایک رشتہ ہے۔ امام حسینؑ کی شہادت کی اطلاع گھوڑے کے توسط سے ہی ہوئی تھی۔ اس طرح ایک گھوڑے کی شبیہہ، جسے ذوالجناح کہا جاتا ہے اور اس کے ساتھ امام حسینؑ کے کربلا کے روضے کا ایک مختصر سا ماڈل، جسے تعزیہ کہا جاتا ہے، کشمیر میں محرم کے جلوس کے جزوِ لازم ہوگئے۔ تعزیے کا جلوس صرف شیعہ ہی نکالتے ہیں سنی مسلمان اس میں شریک نہیں ہوتے۔ سنی حضرات جلوس کے اوقات میں عام طور پر اپنے گھروں میں ہی رہتے ہیں۔

محرم کے پہلے دس دنوں میں کشمیر کے شیعہ ماتم بھی کرتے ہیں۔ اس ماتم میں سینہ کوبی، چھریوں سے خود کو زخمی کرنا، اور آگ پر چلنا شامل ہیں۔ ماتم امام حسینؑ سے عقیدت و محبت کی علامت کے طور پر کیا جاتا ہے اور اُن کی شہادت کی برسی (یومِ عاشورہ) پر خود کو ان کے ساتھیوں میں شمار کرنے کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ سوگوار لوگ مرثیے یا نوحے بھی پڑھتے ہیں۔ سوگ کے دنوں میں شیعہ مسلمان بہت سادہ کھانا کھاتے ہیں اور غریبوں میں خیرات تقسیم کرتے ہیں۔

کشمیر میں محرم کی تعزیہ داری وسیع پیمانے پر پھیلا ہوا عمل اور تہوار ہے۔ کشمیر کے لگ بھگ تمام ضلعوں، سری نگر، بڈگاؤں، بارہ ملاؔ، اننت ناگ، پلواما، وغیرہ میں شیعہ مسلمان محرم مناتے ہیں۔ کشمیر کے مختلف حصوں میں بڑی تعداد میں امام باڑے موجود ہیں۔ سری نگر میں قدیم ترین امام باڑہ زین واڑی حسن آباد کے زادی بل محلے میں واقع ہے۔ سرینگر شہر کے مادین صاحب میں بھی بڑے بڑے

۱۔ ابوالفضل: آئینِ اکبری جلد II انگریزی ترجمہ از کرنل ایچ۔ ایس۔ جیرٹ، تصحیح اور مزید تشریحات از: سرجے۔ این۔ سرکار۔ دہلی ۱۹۹۴، ص ۳۵۴

۲۔ سومناتھ دھر، جموں اینڈ کاشمیر، دہلی ۱۹۹۹، ص ۲۶۴۔

امام باڑے بنائے گئے ہیں۔ بارہ ملاّ ضلع میں سوناواڑی، احمد پور، اندرلوک پتیم پورہ میں بڑے بڑے امام باڑے ہیں۔ پلواما میں گونگو کا امام باڑہ بہت مشہور ہے۔ ضلع اننت ناگ میں چھترگل کا امام باڑہ بہت بڑا ہے۔ بڈگام ضلع میں بھی ایک بہت بڑا امام باڑہ موجود ہے۔

محرم کی عزاداری کی روایت کو جاری رکھنے کے انتظام کے لیے بہت سی شیعہ سنی تنظیمیں ہیں۔ فرقۂ قدیم، اتحاد المسلمین، انجمن شرع شیعہ وغیرہ محرم کے سلسلے کے بہت سے کام انجام دیتی ہیں یہ بہت متحرک اور فعال تنظیمیں ہیں۔ یہ تنظیمیں عام لوگوں کے لیے فلاحی کام بھی کرتی ہیں۔ یہ تنظیمیں کچھ تعلیمی ادارے جیسے جامعہ امام رضا، تنظیم المکاتب اور ایجوکیشنل ٹرسٹ آف کشمیر بھی چلاتی ہیں۔ یہ تنظیمیں اسپتال اور بلڈ بینک کا بھی انتظام کرتی ہیں۔

لداخ کے خطے میں کشمیر کے دوسرے حصوں کے مقابلے میں محرم زیادہ وسیع پیمانے پر منایا جاتا ہے۔ لداخ کے خطے میں تین ذیلی تہذیبی اکائیاں ہیں۔ کارگل، پورگ اور بالتستان ۱۹۴۷ میں تقسیم ملک کے بعد بالتستان پاکستان کا حصہ ہوگیا۔ تقسیم ملک سے پہلے ان تینوں علاقوں کی عزاداری محرم کا چرچا تھا۔ زبانی روایات کے مطابق امیر کبیر میر سید علی ہمدانی نے ان تینوں علاقوں میں اسلام کو متعارف کیا اور اُسے عوام میں پھیلایا۔[۱] محرم کے دنوں میں سوگ منانے کی روایت کی بنیاد شمس الدین عراقی نے ہی رکھی۔ لداخ کے مسلم فرقے میں شیعہ اکثریت میں ہیں۔ دارستان، اسکارڈو اور بالتستان میں آبادی کے تناسب کے اعتبار سے شیعہ غالب اکثریت میں ہیں۔ نوربخش اور اسماعیلیہ، شیعوں کے دو ذیلی مسلک بھی یہاں موجود ہیں۔[۲]

ایسا لگتا ہے کہ محرم کی عزاداری کی روایت لداخ کے خطے میں سب سے پرانی ہے۔ زبانی روایت کے مطابق محرم کی عزاداری کی رسوم پندرھویں صدی سے ہی یہاں شروع ہوئیں۔ یہاں کے سب سے قدیم امام باڑے کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ پندرھویں صدی کے ابتدائی حصے میں ہی بن گیا تھا۔ ذوالجناح کا جلوس یہاں کی عزاداری کا سب سے اہم جزو ہے۔ نو محرم کو ضلع لیہہ سے کچھ لوگ شبیہہ ذوالجناح بنانے کے لیے گھوڑا لینے چوشوٹ گاؤں جاتے ہیں۔[۳] اس گھوڑے کو ایک وقف پالتا ہے

۱- مولوی حشمت اللہ خاں لکھنوی، مختصر تاریخ جموں وکشمیر، جموں ۱۹۹۴، ص ۶۶۴

۲- ایم این پنڈت: موسکس اینڈ امام باڑا، کلچر ہیریٹیج آف لداخ، پی این چوپڑا (ایڈ) میں حوالہ ۱۹۷۸، ص ۷۵

۳- ڈیوڈ بینالٹ: مسلم بدھسٹ ریلیشنس ان ریچول کنفلکٹ، مارٹن بیک کی کلچر، ہسٹری اینڈ ڈیولپمنٹ بٹوین ہمالیہ اینڈ کراکورم، میں حوالہ، ص ۲۹۶-۹۷

جس کا نام انجمن امامیہ ہے اور یہی عاشورہ کے جلوس کی منتظمِ اعلیٰ ہے۔ ذوالجناح کے جلوس کی قیادت ایک شخص 'مجاور' کرتا ہے۔ اس جلوس میں شیعہ لوگ ماتم بھی کرتے ہیں۔ ماتم دو طرح کا ہوتا ہے۔ 'ہاتھ کا ماتم، اور 'زنجیر زنی'۔ ہاتھ کا ماتم، بہت عام ہے جس میں کھلے ہاتھ سے سینہ زنی کی جاتی ہے، جبکہ زنجیر زنی، صرف کچھ لوگ ہی کرتے ہیں اور اس میں لمبی لمبی زنجیروں میں لگی دھاردار چھریوں سے پیٹھ پر یا ماتھے پر ماتم کیا جاتا ہے۔ ہاتھ کا ماتم بھی مختلف طریقوں سے کیا جاتا ہے اور یہ طریقے خاص خاص ناموں سے موسوم ہیں۔ مثال کے طور پر بالستانی اسلوب، دستۂ انصارِ حسینی اور خمینی دستہ، لیہہ ضلع کے مختلف گاؤں میں ان طریقوں سے ماتم کیا جاتا ہے۔[۱]

ذوالجناح یا عاشورہ کے جلوس میں صرف مرد چلتے ہیں اور عورتیں دور سے ہی ان کی زیارت کرتی ہیں۔ مائیں ذوالجناح سے برکت حاصل کرنے کے لئے اپنے بچوں کو لے کر آتی ہیں۔ یہ ذوالجناح کے خادموں کو پیسے دیتی ہیں اور ذوالجناح کے سامنے اپنے بچوں کی صحت وسلامتی کی دعا مانگتی ہیں۔ حالانکہ ذوالجناح کی رسوم صرف شیعہ ہی ادا کرتے ہیں، سنی لوگ بھی جلوس میں حصہ لیتے ہیں اور اسے دیکھتے ہیں۔ 'انجمن معینِ اسلام، کے ممبر جلوس میں شامل ہوتے ہیں مگر اُن کے طریقۂ کار کچھ مختلف ہوتے ہیں۔ سنی نہ ماتم کرتے ہیں، نہ مرثیہ پڑھتے ہیں لیکن یہ لوگ الله اکبر اور لا اِلٰہ الا الله کے نعرے لگاتے ہیں۔ یہ لوگ جلوس میں شریک عزاداروں پر عرقِ گلاب چھڑکتے ہیں اور زخمیوں کو پہلی طبی امداد فراہم کرتے ہیں۔ یہ لوگ سبیلیں بھی لگاتے ہیں اور جلوس میں شریک لوگوں کے لیے چائے اور پھلوں کا رس تقسیم کرنے کے لیے اسٹینڈ لگاتے ہیں۔ بدھ مت کے لوگ بھی جلوس دیکھنے آتے ہیں۔[۲]

لداخ کے علاقے میں بہت سے امام باڑے ہیں۔ 'چوشوٹ یوگما، گاؤں کا امام باڑہ سب سے پرانا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ ۱۴۳۰ یا ۱۴۷۰ کے درمیان بالتی کے مہاجرین نے بنایا تھا۔ قریب ہی لیہہ شہر کے دس امام باڑے ہیں کارگل ضلع میں کم وبیش ہر گاؤں میں ایک امام باڑہ موجود ہے۔ چونکہ کارگل میں زیادہ آبادی شیعوں کی ہے اس لیے یہاں کے لوگوں کے اہم ترین مذہبی کاموں میں امام باڑہ بنوانا بھی شامل ہے۔ کارگل ضلع میں کشکو اور اسکامبو کے امام باڑے بہت مشہور اور قدیم ہیں۔ سورو وادی اور دراس میں بھی جگہ جگہ امام باڑے موجود ہیں۔ سب سے بڑا امام باڑہ کارگل میں ہی

۱- ڈیوڈ پینالٹ: مسلم بدھسٹ ریلیشنس ان ریجول کنفلکٹ، مارٹن بیک کی کلچر، ہسٹری اینڈ ڈیولپمنٹ بنوین ہمالیہ اینڈ کراکورم، میں حوالہ، ص ۳۰۰-۲۹۷ ۲- ایضاً، ص ۳۰۱-۳۰۰-۲۹۷

ہے اور یہ سب سے پرانا مانا جاتا ہے۔[1] محرم کی عزاداری کا کارگل میں بہت چرچا ہے اور یہ شیعہ فرقے کے تمام طبقوں کی سماجی زندگی میں بہت اہم حیثیت رکھتا ہے۔ کارگل کے ادب کا بڑا حصہ مذہبی شاعری، قصیدوں اور مرثیوں پر مشتمل ہے۔[2]

جموں خطے میں محرم کی عزاداری کا سلسلہ کشمیر اور لداخ کے بعد شروع ہوا۔ زبانی روایات کے مطابق محرم کا جلوس انیسویں صدی میں شروع ہوا۔ مہاراجا پرتاپ سنگھ (۱۸۸۵ تا ۱۹۲۵) کے زمانے میں شیعوں نے 'انجمن امامیہ' کے نام کی ایک کمیٹی تشکیل دی جسے محرم کے جلوس کے تمام امور انجام دینے تھے۔ اس کمیٹی کے بانی ممبران میں سید فتح حسین کاظمی، سید نورشاہ، لفٹنٹ کرنل او۔ بی۔ آئی۔ بہادر اور کرنل ظہور حسن شامل تھے۔

جموں کے علاقے میں شیعہ لوگ محرم کے دنوں میں سیاہ اور سفید لباس پہنتے ہیں، سادہ کھانا کھاتے ہیں اور ہر طرح کی تفریحات سے باز رہتے ہیں۔ وہ محرم میں شادی بیاہ اور گھریلو قسم کی دوسری تقریبات منعقد نہیں کرتے۔ چالیس روز تک مجلسِ حسین کرتے ہیں۔ تمام مجلسیں رات کو ہوتی ہیں۔ مردانی اور زنانی مجلسیں الگ الگ ہوتی ہیں۔ عورتیں امام حسینؑ کی یاد میں نوحے پڑھتی ہیں۔ یہ پردہ کرتی ہیں۔ سات تاریخ کو تعزیے کے ساتھ ایک جلوس نکلتا ہے، جسے مقامی طور پر 'ڈولی' کہتے ہیں اور تعزیے کے جلوس کو 'پالکی' کہتے ہیں۔ یہ شام کو شروع ہوتا ہے اور دیر رات گئے ختم ہوتا ہے۔ اسے 'مہندی کا جلوس' کہا جاتا ہے۔ یہ شہر کے مختلف علاقوں سے گزرتا ہے۔ اس کا پرانا راستہ استاد محلہ سے کربلا میدان تک تھا۔ آج کل یہ جانی پور استاد محلہ اور پیر میٹھا سے گزرتا ہے۔ دس محرم کو ذوالجناح کا جلوس برآمد ہوتا ہے۔ اس جلوس میں شیعہ دونوں طرح کا ماتم کرتے ہیں۔ ہاتھ کا ماتم اور زنجیر زنی۔ جلوس صوفی شاہ امام باڑے سے شروع ہوکر کربلا پر ختم ہوتا ہے۔ جب جلوس کربلا پہنچ جاتا ہے تو شیعہ آگ پر ماتم کرتے ہیں، یعنی آگ پر چلتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جموں کے مہاراجا پرتاپ سنگھ سے لے کر بعد تک، جلوس کے دوران تحفظ اور پانی کا انتظام کرتے تھے۔ ماتم اور مجلس کے علاوہ ہندو اور سنی دونوں محرم کی مختلف رسموں میں شریک ہوتے ہیں۔ یہ لوگ راستے میں پانی، پھلوں کا رس اور طبی امداد بھی فراہم کرتے ہیں۔

۱۔ موسکس اینڈ امام باڑاز، ص ۶۷ ۲۔ کاچو اسفندیار خان: کلچرل ہیریٹج آف کارگل، از ایف ایم حسین کی ہیریٹج آف کاشمیر، سری نگر ۱۹۹۱ میں حوالہ ص ۵۷۔

جموں کا سب سے پرانا امام باڑہ صوفی شاہ پیر میٹھا پر واقع ہے۔ اس کے علاوہ بھی شہر میں کئی امام باڑے ہیں۔ جیسے ٹینو پلاٹ اور 'بھٹنڈی' کے امام باڑے چونکہ جموں علاقے میں سنی اور شیعہ اوقاف کی ایک ہی تنظیم ہے اس لیے تمام امام باڑوں کا انتظام اور دیکھ بھال وقف بورڈ ہی کرتا ہے۔ امام باڑوں کے سلسلے کی پالیسی کے معاملات انجمن امامیہ طے کرتی ہے۔

جموں اور کشمیر میں عزاداری اس علاقے کی ایک کلچرل تقریب سی ہوگئی ہے۔ ۱۹۴۷ سے ۱۹۵۰ کے دوران کچھ مدت کو چھوڑ کر یہ کام امن وسکون سے متواتر چل رہا ہے۔ یہ اختلافات میں ایکتا پیدا کرنے کا ذریعہ بھی ہے اور مختلف عقائد وطرز فکر کو قدر و احترام دینے کا ایک عمل بھی ہے۔ سنی اور ہندو حضرات کا اس موقع پر خیرات تقسیم کرنا، آپس میں مل جل کر رہنے اور ایک دوسرے کے کاموں میں شریک ہونے کی بہترین مثال ہے۔